علامہ محمد اقبال کے تصور طاقت کے فکری مآخذ

محمد غیاث :پی ایچ ڈی سکالر، یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور ،لیکچرر شعبہ میڈیا اینڈ ماس کیمونیکشن یونیورسٹی اف سنٹرل پنجاب لاہور

Abstract

Muslim Ummah generally and Muslims of India particularly, until the beginning of 20th century, were under the influence of an escapist view of Religion.Iqbal expressed his disappointment on Muslims' life style and intellectual slavery. Iqbal criticized the religious escapism of Muslims and associated religion with power. He was of the view that religion without power is mere intoxication. Iqbal's concept of self-respect (khudi) is actually the extension of his concept of power and a believer (Banda e momin) is the personification of his concept of power. His concept of power had also a strong influence on his vision of Islam. Iqbal for the first time in Muslim Ummah introduced the significance of the concept of power in the domain of religious thought. This research paper will explore the intellectual foundations of Iqbals concept of power.

Key words: Religion, power, Muslim Ummah, Religious escapism.

اقبال نے ایسے ملک میں آنکھ کھولی تھی جہاں غیر ملکی حکومت نے اہل ملک کے جذبہ ارتقاو نشوونما اور ہمت عروج کو خاکستر غلامی میں دفن کر دیا تھا جس کا اثر جمود و عمل اور ہر قسم کی اخلاقی کمزوری کی شکل میں ظاہر ہوا۔ 1857ء میں خاندان مغلیہ کے زوال کے بعد مسلمانان ہند کا ہر قدم تیزی سے نشیب وابتری اور پستی وذلت کی طرف اٹھتا گیا۔ زوالِ سلطنت کے باعث ان کے احساس برتری کو جو صدمہ پہنچا تھا اس نے اہل اسلام میں تقدیر پرستی اور بے عملی کا جذبہ ابھار دیا۔ جدید حکمران مذہبِ اسلام اور ملتِ اسلام دونوں کو نگاہ اندیشہ وخطر سے دیکھتے تھے اور اسی لیے عمداہر ممکن ذریعہ سے ان کی حوصلہ شکنی کرتے تھے۔ سر سید کی اصلاحی مساعی جمیلہ نے فکر و عمل کا ایک نیا ماحول پیدا کیا جس سے اس برصغیر کے اہل اسلام میں نمایاں ارتقائی تغیر پیدا ہو گیا، لیکن اقبال کے عرصہ حیات میں مسلمانوں کی حالت قابل اطمینان ہونے سے دور کی نسبت بھی نہ رکھتی تھی ۔انھوں نے اپنے ماحول کو بڑی یاس انگیز نگاہوں سے دیکھا۔ اکتوبر 1904ء میں انھوں نے قومی زندگی کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جس میں اپنے دور کے منظر حیات پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی:

”اگر ہم اسلام کی موجودہ صورت حال پر نگاہ ڈالیں تو ان کا مستقبل نہایت مشکوک ومشتبہ نظر آئے گا۔ نارسائی بخت نے اس قوم سے حکومت چھین لی اور شامت اعمال نے ان کو صنعت و حرفت اور تجارت سے محروم کر دیا، اب وہ وقت کے تقاضوں سے بے خبر اور شکنجہ ہلاکت میں مبتلا ہو کر بے معنی تقدیر پرستی کے سہارے جی رہے ہیں۔“(1)

یہ کا منظرِ حیات اقبال کے لیے نہایت دلخراش و جگر پاش تھا۔ مسلمانوں کے زوال کے اسباب و علل پر غور کرتے ہوئے مسلسل تفکر نے اقبال کو اس مقام تیقن تک پہنچا دیا کہ اہل اسلام کی طاقتِ عمل سلب ہو گئی ہے اور وہ اپنے اسلام کی ہمتِ بلند اور استحکام عزم سے محروم ہو

کر رہ گئے ہیں۔اسی حقیقت کی طرف اقبال نے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی   کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت، وہ سیّارا(2)

انیسویں صدی میں مسلمان پوری دنیا میں عموماً اور برِ صغیر پاک وہند میں خصوصاً پستی کا شکار ہو گئے، غلامی ان کا مقدر بن گئی۔ وہ مساجد و مدارس اور خانقاہوں تک محدود ہو گئے اور ان پر سیاست اور اقتدار کے دروازے بند کر دیے گئے۔ان میں سے جو تھوڑے بہت متحرک اور بیدار لوگ تھے،انھوں نے مغرب کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے ان کی اطاعت اور فرماں برداری میں عافیت اور سلامتی سمجھی۔عام مسلمانوں نے اطمینان اور سکونِ قلب کے لیے رہبانی تصوف اور روحانیت کا راستہ اپنایا۔ پیر و مرشد اور مرید کے سلسلے شروع ہو گئے۔ ان حالات میں علامہ محمد اقبال مسلمانوں کے طرز زندگی اور فکری غلامی پر دکھ اور افسوس کا اظہار کرتے ہیں اور مسلمانوں کے لیے جدید مذہبی تصورِ طاقت پیش کرتے ہیں۔اُنھوں نے اپنی شاعری اور خطبات کے ذریعے مسلمانوں کے اندر ایک نیا جذبہ، ولولہ، ہنگامہ اور جنون پیدا کیا۔ان کے تمام تصورات در حقیقت ان کے تصور طاقت پر کھڑی ہے۔انھوں نے خودی، مرد حر، مردِ مؤمن، مردِ حق اور شاہین جیسی اصطلاحات استعمال کر کے انسان کو حقیقی عظمت سے روشناس کرنے کی کوشش کی۔اقبال کے افکار میں طاقت مرکز و محور ہے۔ وہ اس تصور کو اسلامی ثقافت کی روح قرار دیتے ہیں۔اقبال نے پہلی دفعہ اسلامی تہذیب کے اندر طاقت کی اہمیت اور ضرورت کو متعارف کرایا۔ یہ تصورِ طاقت اقبال کی خالص قرآنی اور اسلامی فکر کا مظہر ہے، جس کو انھوں نے ایک نئے اسلوب میں پیش کیا ہے۔

ایسے گھٹاٹوپ اندھیروں میں علامہ محمد اقبال قم باِذن اللہ کا نعرہ لگاتے ہوئے نمودار ہوتے ہیں اور پوری دل سوزی ودرد مندی اور عزم و حوصلہ کے ساتھ قدیم وجدید گمراہیوں پر حملہ آور ہوتے ہیں، ساتھ ہی حکیمانہ اور عارفانہ انداز میں اسلامی افکار وعقائد کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ سوچنے اور سمجھنے والا دماغ رکھنے والوں کو اپنی حیثیت، اپنے مقام اور اپنے فرائضہ کا احساس نصیب ہوا۔ جھکی ہوئی گردنیں اونچی ہونے لگیں۔ مردہ جسموں میں حرکت کے آثار نمودار ہوئے، یاس ونومیدی کی فضا چھٹنے لگی، اور درماندہ وخستہ حال کارواں ملت نیا جذبہ اور حوصلہ پا کر سوئے منزل جادہ پیمائی پر آمادہ ہوا۔ پیام اقبال فی الحقیقت چودھویں صدی ہجری میں وہ پہلی بانگ رحیل ہے جس نے استعماری قوتوں کے ناقابل شکست ہونے اور مغربی تہذیب وتمدن کی برتری کے تصور کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ نسل نو کو مغرب کی ذہنی وجسمانی غلامی سے گلو خلاصی اور اپنی تہذیب کو اپنانے اور اسے زندہ کرنے کی لگن بخشی۔

مولانا سید ابوالاعلی نے دورِ اقبال کے بارے میں فرمایا ہے کہ: "مسلمانوں کے دماغوں میں یہ خیال جاگزیں ہو چکا تھا کہ اہلِ دین کا کام تو بس اللہ اللہ کرنا ہے، یا مسجدوں اور مدرسوں میں فقط قرآن وحدیث پڑھنا ہے، ان کا سیاست سے بھلا کیا تعلق۔اس غلط تصوّر پر بھی اقبال نے ایک کاری ضرب لگائی اور اس کو بھی ایک مصرع میں بیان کر دیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس موضوع پر جتنا کچھ لکھا جا سکتا ہے، وہ سب ایک طرف اور یہ مصرع دوسری طرف۔اقبال کہتا ہے ع" عصا نہ ہو تو کلیمیؑ ہے کارِ بے بنیاد "اس مصرع میں یہ حقیقت کھول دی گئی ہے کہ اگر دین کے پاس اپنے عقیدے اور نظام کو نافذ کرنے کے لیے طاقت نہیں ہے تو دینِ اسلام محض ایک فلسفہ رہ جاتا ہے جب کہ طاقت جس شخص یا گروہ یا نظام کے پاس ہے وہ دنیا کو اپنے راستے پر ہانک کر لے جائے گا۔آپ کے لیے کلیمی کرنے کا کیا موقع باقی رہ جائے گا اور وہ کلیمی کہاں بروئے عمل آئے گی"(3)

اس دور کی اسلامی تہذیب اور مسلمانوں کا روایتی اخلاقی نظام تدریجاً تصوّف کی شکل اختیار کرتے ہوئے وہی رہبانیت کا عکس بن گیا تھا۔اسی طرح دعوت، تبلیغ، رہبانی تصوّف اور امر بالمعروف کو ہی دینی ذمہ داری سمجھا گیا، علاّمہ محمد اقبال نے اس

اسلامی تصوّرِ اخلاق میں تصوّرِ طاقت کو بھی شامل کر دیا۔اقبال نے خودی کا درس دیا، سخت کشی اور فولاد بننے کا درس دیا۔فرمایا ہے کہ :

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم　　　رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن(4)

برِصغیر پاک وہند میں ان سے پہلے اسلام کا تصور طاقت و تصورِ اخلاق مختلف رہا۔اقبال انسان کے اندر جذبہ، ولولہ، تڑپ، حرکت اور ایک عظیم انقلاب برپا کرنا چاہتے تھے۔ان کا خیال ہے کہ انسان پوری دنیا کو اپنی طاقت سے مسخر کر سکتا ہے۔ کائنات کو اپنے تابع کر سکتا ہے لیکن اس کے لیے عشقِ ابراہیم، خاتم النبیین کی سیرت، شاہین کی نظر اور اقبال کے تصورِ طاقت کی ضرورت ہے۔

اقبال نے روایتی فکر کے برعکس اسلامی تہذیب کے اندر طاقت کی اہمیت اور ضرورت کو متعارف کرایا۔اسلام اور اسلامی تعلیمات کو ایک نئی روح کے ساتھ پیش کیا۔انھوں نے مسلمانوں کے اندر علمی اور فکری سطح پر خود اعتمادی پیدا کی۔ان کو غلامی کے سائے سے نکال کر آزادی کا سبق دیا۔اس بنیاد پر مسلمانوں کو آزادی مل گئی اور ساتھ ہی پاکستان بھی معرضِ وجود میں آگیا۔

انھوں نے فرمایا تھا:

رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم　　　عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد(5)

اسلامی تمدن کی اساس قرآن وسنت کی حرکی طاقت میں ہے۔اسی حرکی تصورِ طاقت نے فکرِ اقبال کو جنم دیا جس کی انقلابی طاقت نے مسلمانوں کی اجتماعیت کو توانائی سے آشنا کیا۔لہذا فکرِ اقبال کا مطالعہ طاقت و راسلامی تہذیب کی بازیافت ہے۔

"اقبال چونکہ کمزور قویٰ کی حامل ضعیف قوم کے شاعر تھے۔اس لیے انھیں طاقت کا تصور بطور خاص مرغوب تھا، طاقتِ عمل ہو یا قوتِ فکر، قوتِ تخلیق ہو یا قوتِ اقتدار، قوتِ عشق ہو یا قوتِ جذبہ، وہ اُن کے متنوع مظاہر سے جیسے مسحور سے ہو کر رہ جاتے ہیں، اسی لیے پرندوں میں خوبصورتی (مور) اور نغمگی (بلبل) کے برعکس قوی اور بلند پرواز شاہین کو آئیڈیل بنایا۔اقبال تاریخ کے اس درس کے بے حد قائل تھے: ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات"(6)

طاقت کی اہمیت اور اقبال

حیات انسانی کے تمام شعبوں میں طاقت کی اہم اور عالمگیر کارفرمائی عالمِ فکر و نظر میں ہمیشہ موضوع سخن اور مقام تفکر رہی ہے۔افلاطون نے سوفسٹ میں بیان کیا ہے کہ "زندگی صرف طاقت کا نام ہے"(7)

اسی طرح "فلاسفہ ہوبز اور سپینوزا نے صرف طاقت کو کمالِ انسانی کا واحد ذریعہ خیال کیا ہے"(8)

عصر جدید کے معروف ماہر نفسیات الیگزا ئنڈر نے طاقت کی لامحدود اہمیت کی وضاحت کے لیے بیان کیا ہے کہ امر واقعہ یہ ہے کہ "طاقت کا محرک عزم و عمل، نظریہ، انسانی زندگی کے مادی اور روحانی دونوں پہلوؤں میں مشترک کارفرما و کارکشا ہے"(9)

اسلام معاشرتی سیاست کا نظام عمل ہونے کی حیثیت سے ملت کی بقاو استحکام کے لیے کارکشائی طاقت کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے۔اسی لیے اقبال نے اس موضوعِ حیات کی اہمیت کو بروئے کار لانے میں کاوش ذہن و زور قلم سے کام لیا ہے۔ خصوصاً جبکہ اقبال کی نگاہ بصیرت پر یہ حقیقت آشکار ہو گئی کہ ملت مسلمہ کے سیاسی زوال اور عالم گیر انحطاطِ عزت کی اولین وجہ

طاقت سے محرومی ہے۔اس حقیقت کو اقبال نے اس شعر میں بیان کی ہے۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے　　　ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات(10)

"مسیحی مذہب کے بر عکس اسلام میں طاقت کے صحیح استعمال کو مذہبی فریضہ شمار کیا جاتا ہے، جو بندے کو اللہ کے قریب کر دیتا ہے"(11)

اس لیے یہ کہنا درست ہے کہ قانون الہیٰ کی تائید و حمایت کے لیے طاقت استعمال کرنے میں ایک صاحب ایمان طمانیت قلب محسوس کرتا ہے لہذا مذہبی نقطہ نظر سے حصول طاقت کے جواز میں اقبال کی پر زور حمایت احترامِ مذہب کے خلاف نہیں ہے۔بہر صورت یہ امر وضاحت طلب ہے کہ اکتسابِ طاقت کے لیے اقبال کی حمایت کس حد تک اسلام کی روح سے متناسب ہے اور کیا اقبال طاقت کے استعمال کی عملی پیچیدگیوں سے باخبر تھے۔جب اقبال کی نگاہ فراست سنجیدگی سے عالم انسانیت اور خصوصاً ملتِ اسلام کے احوال کی طرف منعطف ہوئی تو انھوں نے محسوس کیا کہ اکثر اقوام کی معاشرتی اور سیاسی خرابیوں کی اساس افراد کی سہل انگاری اور تساہل کیشی پر ہے۔

اقبال کے تمام تصورات ان کے تصورِ طاقت کی بنیاد پر کھڑے ہیں۔منزل اور ہدف کے طور پر،اقبال کا تصورِ مردِ مؤمن، تصورِ خودی، تصورِ دین، تصورِ سیاست، تصورِ شاہین اور ان کے اس نوعیت کے دیگر تمام تصورات کا مرکز اور منبع طاقت ہی ہے۔اقبال کی پوری شاعری اور فلسفہ دراصل ان کے تصورِ طاقت سے ماخوذ ہے اور اس تصورِ طاقت کا ظرف ان کے ہاں مردِ مؤمن ہے۔اقبال کے تصورِ طاقت کی بنیادی مآخذ قرآن، سنت اور اسلامی تعلیمات ہیں۔اس تصور طاقت اور ان مآخذ کے ساتھ اگر کہیں اور سے اقبال کو کوئی اچھی فکر یا کوئی فلسفہ ملا ہے تو اقبال نے اس کو بھی پسند کیا ہے۔البتہ ان کے ہاں میزان اور معیار ہمیشہ دینِ اسلام ہی رہا۔

علامہ اقبال نے فرمایا ہے کہ:

"مرے لیے ہے فقط زورِ حیدری کافی　　　ترے نصیب فلاطوں کی تیزیِ ادراک

مری نظر میں یہی ہے جمال و زیبائی　　　کہ سر بسجدہ ہیں قوت کے سامنے افلاک"(12)

علامہ اقبال کے تصورِ طاقت میں اخلاقیات کی بڑی اہمیت ہے۔اقبال کا خیال ہے کہ خودی اصل میں اجتماعی خودی کے لیے ہے، جہاں خودی بے خودی بنتی ہے،اس حوالے سے وہ حضرت علیؓ، شیر خدا کو بطور مثال پیش کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے نفس پر کنٹرول حاصل کر کے اپنی جسمانی طاقت کو روحانی اور اخلاقی طاقت میں تبدیل کر دیا۔بندہ یا تو نفس کا غلام ہوتا ہے یا نفس کو غلام بناتا ہے۔اور حضرت علیؓ نے نفس کو غلام بنایا تھا۔اسی وجہ سے انھوں نے اسلام کے لیے ناقابل فراموش کردار ادا کیا تھا۔اقبال نے کہا ہے کہ جسمانی طاقت سے انسان جنگ تو جیت سکتا ہے لیکن دل نہیں جیت سکتا۔علاقے اور ممالک فتح کر سکتے ہیں لیکن اذہان اور قلوب فتح نہیں کر سکتے۔اور اسلام کو صرف علاقے فتح کرنا مطلوب نہیں ہے۔اقبال کہتے ہیں کہ دنیا فتح کرنا اصل طاقت نہیں ہے بلکہ اصل طاقت یہ ہے کہ انسان اپنے مادی فتوحات سے پہلے اپنے نفس کو فتح اور کنٹرول کرلے۔اقبال کا خیال ہے کہ طاقت قانون کے لیے ہوتی ہے اور اگر یہی طاقت خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بن جائے تو یہ وحشت اور بربریت بن جاتی ہے۔

علامہ اقبال کے تصورِ طاقت کے حوالے سے ریاض الرحمان کا ایک مختصر مضمون(13) "Iqbal's Concept of" power بہت اہم ہے۔ یہ اقبال کے تصورِ طاقت کے حوالے سے بہت اہم ہے۔ انھوں نے اس مضمون میں اقبال کا تصورِ طاقت اور ان کی نظم "قوت اور دین" کو مرکز اور محور بنایا ہے۔ انھوں نے طاقت کے بارے میں صوفیانہ تصور، مذہبی تصور اور مغربی تصور بھی مختصر بیان کیا ہے۔

اقبال نے مغربی تصور کی طرح منگولوں، چنگیزیوں اور رومیوں کے تصوّرِ طاقت کو بھی رد کر دیا تھا۔ انھوں نے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے رہبانی تصوّف اور روایتی تصورِ اخلاق کو طاقت سے بدل دیا۔ مسلمانوں کے اس اہم مسئلے کی حقیقی اہمیت کا ادراک بھی سب سے پہلے اقبال کو ہوا۔ اس لیے انھوں نے اپنی شاعری، نظم اور نثر دونوں میں طاقت کے حصول پر زور دیا ہے۔ اقبال کی تمام تعلیمات میں در حقیقت یہی تصوّر طاقت موجود ہے۔ تحریکِ آزادی اور تخلیقِ پاکستان کا سبب بھی یہی تصور رہا اور بعد میں مختلف اسلامی تنظیموں کا قیام، اکثر جہادی تحریکوں کی بنیاد، برّصغیر اور وسطی ایشیائی ممالک میں آزادی کی تحریکوں کے لیے اساس دراصل یہی تصوّرِ طاقت بنا۔ اسی تصوّر نے مسلمانوں کو دوبارہ زندہ کیا اور یہی تصوّر احیاے اسلام کا ذریعہ بنا اور بنتا جا رہا ہے۔

تازہ پھر دانشِ حاضر نے کیا سحرِ قدیم گزر اس عہد میں ممکن نہیں بے چوب کلیم (14)

اسلام آج اگر دنیا میں تقابل اور تصادم کے طور پر نظر آتا ہے تو یہ اس تصوّر طاقت کی وجہ سے ہے۔ علامہ محمد اقبال نے مسلمانانِ ہند کے اندر ایک جنون اور فکری طاقت پیدا کی۔ تصور خودی، مرد حر، مرد مؤمن، مرد حق اور شاہین جیسی اصطلاحات درحقیقت ان کے تصورِ طاقت کے مظاہر اور تعبیر کا منفرد اسلوب ہے۔ وہ ایک ایسا مردِ مومن بنانا چاہتے ہیں جو اپنی ایمانی طاقت اور مادی ترقی سے اس کائنات کا حقیقی خلیفہ بن سکے۔

رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم عصا نہ ہو تو کلیمیؑ ہے کارِ بے بنیاد!(15)

"اقبال کی نظم و نثر کا ہر گوشہ اس حقیقت کی نقاب کشائی کرتا ہے کہ ان کا منتہائے نظریہ تھا کہ اہل اسلام فلسفہ قرآنی کے تجسس اور اجتہاد کے ذریعے صلاحیتِ فراست و علم کو صرف کریں تا کہ قرآنی اصول وآئین بقائے ملت کے لیے زندہ طاقت بن جائیں۔ عیسائیت کے برعکس اسلام میں ترک علائقِ دنیا اور رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ایک مسلمان اپنے طاقتِ عمل سے حق و صداقت پر مبنی مقاصد کے حصول کے لیے اپنی تقدیر کی تخلیق و تنظیم کرتا ہے۔ ایک سود مند و صحت مند سیاسی نظام کی بقا کے لیے طاقت بنیادی ضروریات کا عنصر ہے اس لیے اسلامی زاویہ نگاہ سے طاقت ناپسندیدہ شے نہیں ہے۔"(16)

یہ کہنا درست ہے کہ دینِ اسلام میں قانون الہٰی کی تائید و حمایت کے لیے طاقت استعمال کرنے میں ایک صاحبِ ایمان طمانیتِ قلب محسوس کرتا ہے۔ لہٰذا مذہبی نقطہ نظر سے حصولِ طاقت کے جواز میں اقبال کی پر زور حمایت احترامِ مذہب کے خلاف نہیں بلکہ عین دین کا تقاضا ہے۔

اقبال کا فلسفہ طاقت

برصغیر کی تمام صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد اقبال اس مقصد عظیم کی تکمیل کی طرف متوجہ ہوئے کہ وہ اپنی ملت میں کھوئی ہوئی عظمت و طاقت کا احساس اور بازیابی کا جذبہ پیدا کر کے اس میں نئی روح پھونکیں۔ اقبال انسان کے اندر طاقت کا خواہشمند ہے۔ اس لیے مسلسل کئی سال تک انھوں نے سنجیدگی سے فلسفہ خودی کو تعلیم و تربیت دینے کی کوشش کی۔

پروین شوکت لکھتی ہیں:

"عطیہ فیضی کے نام ایک مکتوب میں انھوں نے ذکر کیا کہ میرا تخیل ایک مثنوی کی تخلیق میں مصروف ہے جس کے متعلق میرے والد ماجد کی فرمائش ہے اور جو بو علی قلندر کی مثنوی کی طرز پر ہو گی۔اس خیال آرائی نے اسرار خودی کی شکل اختیار کی۔4۔اکتوبر 1915ء کو منشی سراج الدین کے نام ایک مکتوب میں بھی اقبال نے ذکر کیا ہے کہ میں دو سال سے اسرار خودی کی تصنیف میں مصروف ہوں جس کا دوسرا حصہ جس کے لیے میرے پاس عظیم ذخیرہ تخیل موجود ہے اور جو بعد میں شائع ہو گا، بہت ولولہ انگیز اور جوش آفرین ہو گا۔اس مثنوی کی اشاعت سے چھ مہینے قبل اقبال نے ایک تقریر کی جس میں یہ وضاحت کی کہ تصوف جو فنائے خودی کی تعلیم دیتا ہے، اسلامی روح کے برعکس ہے۔تصوف کا مروجہ نظریہ مذہب کے عربی تصور کے خلاف ہے۔اس تصوف کا سب سے الم ناک حزینہ یہ ہے کہ خودی فنا کی تلقین کرتا ہے جو [خودی] حقیقتاً فرد و ملت کی طاقت کا واحد وسیلہ ہے۔اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ انسان کو نہ صرف خودی کی حفاظت کرنی چاہیے بلکہ اسے اس طرح نشو و نما دینی چاہیے کہ بتدریج اس مقام بلند کی طرف پیش قدمی کرے جس کی وہ مستحق ہے اور جس کا حصول انسان کا منتہائے کمال ہے۔"(17)

اقبال کا مردِ مومن

یہ نظریہ فکریات اقبال کا اہم ترین موضوع ہے اور یہی انسان اقبال کے تصور طاقت کا ظرف ہے۔اقبال نے مختلف مقامات پر اس نظریہ کو متنوع الفاظ کی تعبیر کا لباس پہنایا ہے۔اسلام نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ انسان مخلوق ہونے کے باوجود خالق کائنات کی صفت قیومیت اور قوت خلافیت کا مظہر اور بارگاہ حیات میں عامل متصرف کی حیثیت رکھتا ہے۔وہ عالم ایجاد میں نقاش ازل کی صورت گری کا شاہکار ہے۔انسان کو ہی اللہ تعالی نے اپنی زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے۔اقبال کو جو انسان مطلوب تھا اس کے لیے وہ بے چین اور مضطرب رہتے تھے اور اپنے افکار میں اس انسان کی صفات بیان کرتے ہیں۔

انسان کو اقبال نے طاقت کے تناظر میں دیکھا ہے۔ایک بار ایک جرمن سیاح ڈاکٹر اقبال سے ملنے آیا۔اس نے اقبال سے پوچھا کہ آپ کس چیز کی تعلیم دیتے ہیں۔جواب میں اقبال نے فرمایا:

"میرے آباؤاجداد برہمن تھے۔انھوں نے اپنی عمر اس سوچ میں گزار دی کہ خدا کیا ہے؟ میں اپنی عمر اس سوچ میں گزار رہا ہوں کہ انسان کیا ہے؟"(18) "یعنی انسان اپنی طاقت کی بنیاد پر کیا کر سکتا ہے۔"(19)

اقبال کے انسان کامل کے لیے مذہب ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔اسے محض معتقدات یا مذہبی رسوم کی حیثیت حاصل نہیں ہوتی بلکہ وہ حیات اور طاقت کا سرچشمہ بن جاتا ہے۔مثالی انسان ایک آزاد شخصیت بن جاتا ہے لیکن وہ اس اعتبار سے آزاد نہیں ہوتا کہ خود کو قانون سے بالاتر سمجھنے لگے۔انسانِ کامل اس لحاظ سے آزاد ہوتا ہے کہ وہ اپنے ضمیر کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہو کر قانون کے حقیقی سرچشمے کو تلاش کر لیتا ہے۔

فردِ قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں   موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں(20)

بہت سے ارباب نقد و نظر نے اقبال پر رجعت پسندی اور قدامت پرستی کا الزام لگایا ہے، حالانکہ ان کی کاوش قلم کا ہر رخ اس امر واقعہ کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ رزم گاہ فکر و عمل میں ان کا نعرہ یہ ہے کہ راست روی اور صراط مستقیم کی اصل دیکھنے کے لیے نزول قرآن کے دور اول کی طرف واپس لوٹو بلکہ یہ تھا کہ قرآن کی رہنمائی میں آگے بڑھو۔

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن(21)

مندرجہ بالا بحث کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اقبال انسان کامل کے تمام مشرقی و مغربی تصوّرات سے واقف ہیں اور ان سے اُنھوں نے استفادہ ضرور کیا ہوگا، لیکن ان کے تصورِ طاقت کی تفصیل اور مردِ مومن کی صفات سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ انھوں نے اس تصوّر کی بنیاد صرف اسلامی تعلیمات پر ہی رکھی ہے۔ان کے تصوّر طاقت میں فرد کے لیے مرد مومن بننا اور جماعت کے لیے ملت اسلامیہ کے ڈھانچہ میں ڈھلنا ایک اعلیٰ نصب العین کی حیثیت رکھتا ہے۔اقبال کا خیال تھا کہ انسان پوری دنیا کو مسخر کر سکتا ہے، کائنات اپنے تابع کر سکتا ہے لیکن اس کے لیے طاقت کی ضرورت ہے۔ بہر حال اقبال کی ساری شاعری درج ذیل آیت کی تشریح اور اس کے مطابق انسانوں کی تیاری میں گزری ہے۔

اِنَّ اللہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ (22) اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ اپنے حالات نہیں بدلتی۔اقبال نے تفریح طبع کے لیے شاعری نہیں کی بلکہ وہ غلام ہند کے مسلمانوں کی سیاسی آزادی کے ساتھ ذہنی اور فکری لحاظ سے بھی ان کو آزاد دیکھنا چاہتے تھے۔

اغیار کے افکار و تخیل کی گدائی کیا تجھ کو نہیں اپنی خودی تک بھی رسائی(23)

یہ اور اس انداز کے اشعار کی ''کل'' کے مقابلے میں ''آج'' کہیں زیادہ اہمیت ہے کہ قوم مغرب پرستی کے اجتماعی جنون میں مبتلا ہے۔ مغرب کی تقلید ہی اب'' ترقی'' سمجھی جاتی ہے۔اقبال نے مسلم معاشرے کے ذہنی افلاس، فکری بے سمتی، زندگی کی ابتری، مقاصد جلیل کے فقدان، عصری تقاضوں سے لاعلمی اور لاتعلقی کی بنا پر ملت کے لیے اشعار میں جو نظامِ فکر وضع کیا، طاقت اس میں مرکزی مقام کی حامل ہے۔ جبکہ بقیہ تصورات اس سے کسب ضیا کرتے ہیں۔

فکرِ اقبال کے مآخذ

اقبال نے اپنا تصور طاقت اسلام سے یعنی قرآن حکیم، احادیث اور اسلامی روایات سے اخذ کیا ہے۔انھوں نے اخلاقی اور روحانی ارتقا کے حوالے سے اپنا تصورِ طاقت پیش کیا ہے۔انھوں نے اپنے عہد کے روایتی تصورِ مذہب کو مسترد کیا اور وہ طاقت کے تناظر میں انسان کی تلاش میں نکلے اور اس کے بارے میں پیشن گوئی کرتے رہے۔

ایک توانا اور طاقتور انسان اقبال کو اتنا محبوب ہے کہ بار بار اس کا ذکر کرتے ہیں۔اس سلسلے میں جو سوالات اٹھائے گئے ہیں۔ ان میں سے اہم یہ ہیں کہ اقبال نے طاقت کا یہ تصوّر کہاں سے اخذ کیا ہے؟ ان کا یہ تصوّر طاقت اور اس کا مصداق محض تخیلی ہے یا کوئی حقیقی شخصیت ان کے لیے مثال بنی ہے۔ان سوالات کا جواب ان کے کلام کے گہرے مطالعے کے بعد دیا جا سکتا ہے۔

اس بارے میں مختلف آرا ملتی ہیں، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کی اساس خالصتاً اسلامی تعلیمات پر ہے اور اس سلسلے میں اقبال نے ابن مسکویہ اور عبدالکریم الجیلی جیسے اسلامی مفکرین سے بھی استفادہ کیا ہے۔ایک گروہ اس تصوّر کو مغربی فلسفی نٹشے کے فوق البشر کا عکس بتاتا ہے۔کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اقبال نے یہ خیال قدیم یونانی فلسفیوں سے حاصل کیا ہے۔اور کچھ اسے مولانا جلال الدین رومی کی دین قرار دیتے ہیں۔

نکلسن نے اقبال پر ایک بہت جامع تبصرہ کیا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ وہ اقبال سے متاثر بھی ہوا ہے۔ مغربی دنیا میں اقبال کے فکر و فلسفہ کا ابتدائی تعارف اس وقت ہوا جب کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر آر-اے-نکلسن (م) نے مثنوی ''اسرار

خودی'' کا انگریزی ترجمہ کیا.پروفیسر نکلسن نے اس کے مقدمے میں لکھا ہے کہ :

''اقبال نے مغربی ادب سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ان کا فلسفہ بڑی حد تک نٹشے اور برگساں سے مستعار ہے اور ان کا کلام ہمیں جا بجا شیلے کی یاد دلاتا ہے، لیکن اُن کے باوجود بھی ان کی طرز فکر ایک مسلمان کی ہے،اور اسی باعث ان کا دائرہ اثر بھی بہت زبردست ہے۔وہ ایک پرجوش مذہبی شخصیت ہیں،اور ایک ایسی آفاقی اور مثالی حکومت الہیہ کے آرزومند ہیں جس کے پرچم تلے بلا امتیاز ملک و نسل تمام مسلمان متحد ہوتے ہیں.ان کو قومیت یا ملوکیت کے نظریات سے مطلق دلچسپی نہیں،بلکہ ان کے بقول قومیت یا ملوکیت مسلمانوں کو اپنی منزل مقصود سے دور کرتی ہے اور مسلمانوں میں باہمی تفرقے کا سبب ہے،کیونکہ یہ نظریات جذبہ اخوت کو پامال کرتے ہیں اور باہمی جنگ و جدل کی تخم ریزی کرتے ہیں۔وہ ایسی دنیا کے متمنی ہیں جس میں مذہب کی سربلندی ہو اور سیاست کا کوئی مقام نہ ہو۔وہ میکاولی کو باطل دیوتاؤں کا پجاری قرار دیتے ہیں اور بے شمار افراد کو گمراہ کرنے کے لیے اسے موردالزام ٹھہراتے ہیں"(24)

نکلسن مزید کہتے ہیں کہ :

"قرآن اور حضرت محمد ﷺ کی جانب مراجعت کی دعوت اس سے قبل بھی بارہا پیش کی گئی ہے، لیکن اس دعوت کے تئیں ردعمل غیر تسلی بخش ہی رہا ہے، لیکن اقبال کے ہاں یہ دعوت مغربی فلسفے کی انقلابی تاثیر کی بھی حامل ہے اور اقبال کو یہ امید اور یقین ہے کہ یہ تحریک ضرور برپا ہوگی اور کامیابی سے ہم کنار ہوگی-اقبال یہ سمجھتے ہیں کہ خود اثباتی اور ارتقا کے ذریعے مسلمان از سر نو اقتدار اور خود مختاری حاصل کر سکتے ہیں-وہ حضور ﷺ کے پیش کردہ اسلامی معاشرے کو مثالی معاشرہ قرار دیتے ہیں۔مرد کامل کے مقام پر فائز ہونے کی جدوجہد کے ذریعے ہر مسلمان فرد حکومت الہیہ کے قیام میں معین ہوتا ہے"(25)

پروفیسر نکلسن اپنے مقدمے کے آخر میں اسرار خودی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :

"منظر عام پر آتے ہی''اسرار خودی ''نے ہندوستانی مسلمانوں کی نوجوان نسل کو مسحور اور مسخر کر کے رکھ دیا۔ایک نوجوان نے لکھا ہے "اقبال ہمارے درمیان مسیحا کے طور پر نمودار ہوئے اور انھوں نے تن مردہ میں زندگی پھونک دی ہے" یہ دیکھنا باقی ہے کہ یہ بیدار افراد کس سمت میں پیش رفت کرتے ہیں۔ہم ان کے افکار کو ان کے ہم مذہب افراد کے کسی مخصوص طبقے کے نظریات نہیں قرار دے سکتے،ان کے افکار مسلم ذہن میں انقلابی تبدیلی کے مرادف ہیں اور ان کے افکار کی قدر و قیمت کے ضمن میں یہ امر ہرگز مانع نہیں کہ مذکورہ تبدیلی کا مستقبل میں واقع ہونے کا کوئی امکان نہیں"(26)

اقبال کے تصوّر طاقت کا مآخذ ڈھونڈنے کے لیے نقادوں نے طرح طرح کی قیاس آرائیاں کیں۔اس سلسلے میں نٹشے، برگساں، ہیگل،اور لائڈ ماتھر وغیرہ کا نام لیا گیا ہے۔جبکہ خود اقبال نے اس قسم کے استفادے سے انکار کیا ہے۔

پروفیسر نکلسن اور فوسٹر نے اقبال کے تصور انسان کامل کو نٹشے کے سپرمین کا چربہ قرار دیا تھا۔چنانچہ اقبال نے پروفیسر نکلسن کو ایک طویل خط لکھا جس میں بے جا اٹھائے گئے اور غلط فہمی پر مبنی اعتراضات کی وضاحت تھی۔اقبال نے انسان کامل کے تصور کے مآخذ کے حوالے سے اپنی اس تحریر میں ذکر کیا ہے،اس میں لکھتے ہیں کہ :

"میں نے تصوف کے مسئلہ "انسان کامل "پر کچھ اوپر بیس سال ہوئے کہ لکھا تھا،جب نٹشے کی بھنک بھی میرے کان میں نہ پڑی تھی۔یہ مضمون اسرار خودی اس زمانے میں رسالہ،انڈین انٹی کوئری میں شائع ہوا تھا،اور اُس کے بعد میں میرے

انگریزی مقالہ "فلسفہ عجم "میں ضم ہو کر نکلا تھا"(27)

اقبال کے تصورِ طاقت میں "اسرارِ خودی" کی بڑی اہمیت ہے۔ہر برٹ ریڈ نے اپنے معاصر برطانوی قلم کاروں کی طرح''اسرار خودی'' کے پیغام کو نہ خوف کی نظر سے دیکھا،اور نہ اس پر کسی شک وشبہ کا اظہار کیا بلکہ اُس کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"اس نظریے جو اسرار خودی میں ہے ، کا اطلاق میرے خیال میں تمام معاصر شعرا میں صرف ایک ایسے شاعر پر موزوں ہے جو ہمارا ہم وطن ہے نہ ہم مذہب،صرف یہی شاعر اس کسوٹی پر پورا اترتا ہے۔میری مراد اقبال ہے جن کی نظم ،اسرار خودی،کا ڈاکٹر رینالڈ نکلسن نے حال ہی میں اصل فارسی سے ترجمہ کیا ہے-آج جبکہ ہمارے مقامی متشاعر حضرات کیٹس کی زمین میں بلبلوں اور پرندوں کے موضوعات پر تضمینیں تحریر کرنے میں مصروف ہیں،لاہور میں ایک ایسی نظم شائع ہوئی ہے جس کے متعلق یہ مشہور ہے کہ انھوں نے ہندی مسلمانوں کو بالکل مسحور کر کے رکھ دیا ہے"(28)

اس ضمن میں ہر برٹ ریڈ کے ایک مقالے کا بھی ذکر بے محل نہ ہوگا جس نے 1921ء میں اقبال پر نٹشے کے اثرات سے بحث کی ہے اور اقبال کو نٹشے پر فوقیت دیتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ:

"نٹشے کے مقابلے میں اقبال نے اس صداقت کا زیادہ یقینی طور پر احساس کیا ہے۔ویٹ مین کا''ربانی اوسط'' خاصہ مبہم ہے اور بطور ایک تصوّر اس میں توانائی کی شدت کا فقدان نظر آتا ہے جبکہ نٹشے کا فوق البشر سماج کا باغی ہے لہذا جبلی طور پر ہمارے لیے اُن کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے۔اقبال کا مردِ کامل تو خود ہی ربانی اوسط ہے۔دوستو!اُن کا ربانی اوسط ہی مردِ کامل ہے۔وہ صنم بھی ہے اور صنم پرست بھی"(29)

اقبال نے تصوف کے جس انسان کامل کی طرف اشارہ کیا ہے وہ محی الدین ابن عربی اور ابراہیم الجیلی کا 'انسان کامل' ہے۔ یہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ابراہیم الجیلی کا 'انسان کامل' اقبال کے نائب حق سے بہت مختلف ہے لیکن بہر حال وہ بھی طاقت کا ایک مظہر تو ہے جس سے اقبال باخبر تھے۔

فکرِ اقبال کے تین بنیادی مآخذ

اگر ہم یہ معلوم کرنا چاہیں کہ وہ تصورِ طاقت جو اقبال نے پیش کیا ہے،اسے کوئی اور اس انداز سے کیوں نہیں پیش کر سکا تو اس تجزیے کی تہ میں تین بنیادی عوامل کارفرما نظر آئیں گے جسے ہم فکرِ اقبال کے تین بنیادی عناصر سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

اول:اقبال نے اپنے تمام تر تصوّرات کی عمارت قرآن مجید سے اخذ کردہ مفاہیم پر استوار کی ہے۔اُن کی فکر کا سرچشمہ قرآن ہی ہے جس کا اظہار اُنھوں نے اپنے اشعار میں کئی مقامات پر کیا ہے۔ایک جگہ وہ نظم "مردِ مسلمان" میں فرماتے ہیں کہ:

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن　　گفتار میں، کردار میں، اللہ کی برہان!
قہاری وغفاری وقدوسی وجبروت　　یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
ہمسائہ جبریلِ امیں، بندۂ خاکی　　ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن　　قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن!
فطرت کا سرودِ ازلی اس کے شب و روز　　آہنگ میں یکتا،صفتِ سورہ رحمٰن(30)

اقبال نے قرآن حکیم کے بارے میں فرمایا تھا:

نسخہ اسرارِ تکوینِ حیات بے ثبات از قوتش گیرد ثبات

حرف اور اریب نے تبدیل نے آیہ اش شرمندہ تاویل نے(31)

''یہ کتاب وہ ہے جس میں ممکنات زندگی کے اسرار بیان کیے گئے ہیں۔اس کتاب کے باعث ناپایداری کو پایداری حاصل ہو جاتی ہے۔اُس کے الفاظ کی سچائی شک وشبہ سے بالا ہے،اس کتاب کا ایک لفظ بھی تحریف کا شکار نہیں ہوا،اس کی آیات میں کوئی انہونی بات بیان نہیں ہوئی جس کے معانی کی تاویل کرنی پڑے"(32)

اقبال نے اسی لیے قرآن کو اسلامی قانون کا اوّلین ماخذ قرار دیا ہے جس سے قانونی ضابطے مستنبط ہو سکتے ہیں۔

دوم: پھر اس قانون کے لیے دوسرا ماخذ حدیث ہے۔اقبال نے اپنے فکر کی آبیاری ارشادات نبوی ﷺ کے چشمے سے کی اُن کی تمام تفصیلات و جزئیات احادیثِ رسولِ مقبول ﷺ سے ماخوذ ہیں۔فرماتے ہیں:

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر وہی قرآں وہی فرقاں وہی یسیں وہی طاہا(33)

ان بنیادی مآخذ کو مد نظر رکھتے ہوئے اقبال نے مجالس تشریعی کے توسط سے پیدا ہونے والے اجماع کو بہت سراہا ہے کہ اس طرح مختلف مسلکوں کے اہلِ نظر علما آپس میں قریب سے قریب تر ہو جائیں گے۔

سوم: اقبال نے معارف، لطائف اور حقائق سیکھنے کے لیے مثنوی مولانا روم سے خوب استفادہ کیا ہے اور مولانا کو اپنا معشوق اور روحانی مرشد قرار دیا ہے۔اس کے کلامِ باکمال میں جابجا مولانا کا تذکرہ ہے اور اس کی تعلیمات کی طرف اُمت کو متوجہ کیا ہے:

غلط نگر ہے تری چشم نیم باز اب تک ترا وجود ترے واسطے ہے راز اب تک

ترا نیاز نہیں آشنائے ناز اب تک کہ ہے قیام سے خالی تری نماز اب تک

گسستہ تار ہے تیری خودی کا ساز اب تک کہ تو ہے نغمہ رومی سے بے نیاز اب تک(34)

اس طرح ان کے چند اشعار میں یہ تاثر ہے کہ نغمہ رومی سے بے نیازی اور محرومی نے تیری خودی کے ساز کی تاروں کو کاٹ ڈالا ہے،اس لیے تجھے پیر روم سے استفادہ کر کے اپنے کھوئے ہوئے مقام کو از سر نو حاصل کرنا چاہیے۔

صحبتِ پیر روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش لاکھ حکیم سر بجیب،ایک کلیم سر بکف(35)

صحبت پیر روم نے مجھے یہ بتایا ہے کہ عقل و دانش کے دعوے دار کوئی انقلاب نہیں لا سکتے۔اُن کے لیے کلیمی واحد نسخہ اور راستہ ہے۔

نہ اُٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے وہی آب و گل ایراں،وہی تبریز ہے ساقی(36)

اقبال ایک صالح اور خوش گوار انقلاب کے لیے رومی کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔یہ وہ عظیم منابع ہیں جنھوں نے اقبال کی فکر کو فرش سے عرش تک پہنچایا۔

علامہ طاہر القادری لکھتے ہیں کہ:

''قرآن و حدیث اور مثنوی مولانا روم کے امتزاج نے اقبال کے مردِ مومن کو وہ انفرادیت، عظمت اور ندرت عطا کر دی ہے جو ہمیں کسی اور کے ہاں نظر نہیں آتی۔یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہ ہو گا کہ قرآن کے تناظر میں دیکھا جائے تو اقبالؒ کا طاقتور مرد

مومن قرآن کا انسان مرتضیٰ ہے اور اس انسان کامل کو قرآن نے نفس کاملہ کا نام دیا ہے"(37)

اقبال نے جہاں سے اخذ کیا ہے اس کا اظہار بھی کرتے ہیں۔اقبال جاوید نامہ میں مولانا روم کو اپنا رہنما تسلیم کرتے ہیں۔یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ اقبال نے پیر روم کے فکر روشن سے جس قدر روشنی حاصل کی ہے اتنی کسی اور شمع سے دستیاب نہیں ہوئی۔البتہ اقبال کی شاعری کا انقلاب انگیز پیغام دراصل اقبال کی اپنی ذہنی تخلیق ہے۔

رومی انفرادی بقا کا قائل ہے اور کہتا ہے کہ :

''خدا میں انسان اس طرح محو نہیں ہو جاتا جس طرح کہ قطرہ سمندر میں محو ہو جاتا ہے۔بلکہ ایسا ہوتا ہے جیسے کہ سورج کی روشنی میں چراغ جل رہا ہے یا جیسے لوہا آگ میں پڑ کر آگ ہو جاتا ہے لیکن اس کے باوجود اس کی انفرادیت باقی رہتی ہے۔ اقبال کے فلسفہ خودی کے لیے بھی یہی نظریہ مناسب تھا اس لیے انھوں نے مولانا روم کا اپنا مرشد سمجھا۔اس سے یہ مطلب نہیں سمجھنا چاہیے کہ اقبال کے فلسفے کی اپنی کوئی حیثیت نہیں بلکہ اُن کے تصورِ طاقت کے تمام اساسی مضامین درحقیقت قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں"(38)

قاضی جاوید کہتے ہیں کہ :

"اقبال کا یہی کمال تھا کہ اس نے ایک نئے سلیقے اور ڈھنگ کے ساتھ قرآن کا مطلوب طاقتور انسان مرد مؤمن کی صورت میں پیش کیا۔(قاضی جاوید کا خیال ہے) کہ اقبال کے اس تصور کی بنیاد قرآن حکیم، احادیث اور مسلم روایات ہیں"(39)

ڈاکٹر شادانی کا مؤقف یہ ہے کہ :

"اقبال انتہا پسند قدری نہیں تھے، کیونکہ سماجی، اخلاقی اور مذہبی امور کی طرح تقدیر کے باب میں بھی اقبال کا نقطہ نظر خالص اسلامی ہے۔ان کی بنیاد قرآن حکیم ہے یا ارشاداتِ نبویؐ اور اُن کے بعد وہ رومی کو اپنا پیر و مرشد مانتے ہیں"(40)

اقبال کے تصورِ طاقت کے بعض دیگر مآخذ

اقبال کے بنیادی فکری مآخذ تو قرآن اور سنت ہیں۔ان کی پسندیدہ شخصیت رسول اللہ ﷺ کی ذات ہیں۔اُن کے بعد اسلامی دائرے کے اندر رہتے ہوئے اقبال نے مشرق و مغرب کے تمام حکما اور مفکروں کے خیال کے ساتھ پرواز کی ہے۔ ان کا مطالعہ نہایت وسیع اور نظر نہایت گہری تھی۔خدا جانے کہاں کہاں سے غواصی کر کے موتی جمع کیے ہیں۔مگر ان موتیوں کو ایک نئے انداز سے پرو دیا ہے۔یہ کائنات ایک کھلی کتاب ہے اور اس سے سیکھنا ہر انسان کا پیدائشی حق ہے۔

اقبال نے مشرق و مغرب کی ساری مذہبی و تمدنی میراث سے فائدہ اُٹھایا ہے۔مگر خاص طور پر وہ رومی سے کلی طور پر نٹشے اور برگساں سے جزوی طور پر متاثر ہوئے ہیں۔ان کے علاوہ دوسرے مفکروں کے خیالات کا عکس بھی ملتا ہے۔یاد رہے کہ یہ وہ اثر ہے جس کا فکرِ اقبال کے ساتھ تعارض نہیں تھا۔جمال الدین افغانی، مجدد الف ثانی اور بیدل اور غالب کا اثر بھی کسی حد تک اقبال نے قبول کیا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ اقبال نے تصورِ طاقت کا یہ فلسفہ کسی اور سے اخذ کیا ہے اگر ایسا ہے تو آج تو دنیا ہمارے سامنے ایک کھلی کتاب ہے کوئی اور کیوں اقبال نہیں بن سکتا؟۔اقبال کے تصورِ طاقت میں نٹشے کے برعکس امن و محبت اور انسانی وحدت کا پیغام ہے اس لیے اقبال کے خیالات تمام انسانیت کا اثاثہ ہیں۔

خردمندوں سے کیا پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے کہ میں اس فکر میں رہتا ہوں، میری انتہا کیا ہے

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے	خدا بندے سے خود پوچھے، بتا تیری رضا کیا ہے

اگر ہوتا وہ مجذوب فرنگی اس زمانے میں	تو اقبال اس کو سمجھتا مقام کبریا کیا ہے(41)

نٹشے کے حوالے سے اقبال خود کہتے ہیں کہ :

"میں نے یہ خیال نٹشے سے نہیں لیا بلکہ تصوف کا ''انسان کامل'' آج سے بیس سال قبل میرے پیش نظر رہا ہے "(42)

حاصلِ کلام

اسلام میں طاقت کا جدید تصور اقبال نے پیش کیا ہے۔اقبال کے تمام تصورات ان کے تصورِ طاقت کی بنیاد پر کھڑے ہیں۔ منزل اور ہدف کے طور پر، اقبال کا تصورِ مردِ مؤمن، تصورِ خودی، تصورِ دین، تصورِ سیاست، تصورِ شاہین اوران کے اس نوعیت کے دیگر تمام تصورات کا مرکز اور منبع طاقت ہی ہے۔اقبال کی پوری شاعری اور فلسفہ دراصل ان کے تصورِ طاقت سے ماخوذ ہے اوران کے تصورِ طاقت کا بنیادی مآخذ قرآن، سنت اور اسلامی تعلیمات ہیں۔اس تصور طاقت اور ان مآخذ کے ساتھ اگر کہیں اور سے اقبال کو کوئی اچھی فکر یا کوئی فلسفہ ملا ہے تو اقبال نے اس کو بھی پسند کیا ہے۔البتہ ان کے ہاں میزان اور معیار ہمیشہ دینِ اسلام ہی رہا۔اقبال کے تصور طاقت میں خدا، رسولؐ اور اخلاقیات کی تعلیمات موجود ہیں۔

اقبال کے تصور طاقت میں حریت وآزادی کے جذبات شامل ہیں۔ان کے تصور طاقت کے بنیادی مآخذ میں قرآن مجید سر فہرست ہے۔دوسرے درجے میں حضور اکرم ﷺ کا اسوہ حسنہ ہے۔تیسرے نمبر پر مسلمانوں کی تاریخ کے وہ رجال عظیم ہیں جنہیں اقبال ''پراسرار بندے'' کہتا ہے جن کی ٹھوکر سے صحرا اور دریا دو نیم ہو جاتے ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

1) تصدق حسین تاج، مضامین اول، حیدرآباد۔1962ء، ص نمبر 37

2) محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیاتِ اقبال اردو، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، لاہور، پاکستان، اشاعت پنجم، 1982ء، ص نمبر 180

3) مودودی، ابو الاعلی، سید، اقبال اور پاکستان، طابع کنول آرٹ پریس، لاہور (ایک تقریر جو 21 اپریل 1970ء کو یوم اقبال کے موقع پر پنجاب یونیورسٹی ہال میں کی گئی) ص نمبر 12-13

4) محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیاتِ اقبال (اردو)، مکتبہ جمال، اردو بازار، لاہور، پاکستان، 2007ء، ص نمبر 889

5) محمد اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، غ ع، ص نمبر 362

6) محمد اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، غ ع، ص نمبر 44

7) James B.Wilbur & J. *Allen Harold. The worlds of plato and Aristoie*. New York ۔ 1962.P.14

8) T.V Smith, *power and conscience in the study of power*, Glence.1950.pp.23-24

9) Ibid.P.357

10) محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص نمبر 798

11) محمد یوسف، عمری، امام ابن تیمیہ، مدراس، 1959، ص نمبر 99-100

12) محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص نمبر 1003

13) http://www.allamaiqbal.com/publications/journals/review/oct74/5.htm

14) تنویر، طاہر حمید، شعرِ دلآویز، ناشر، محمد سہیل عمر، ناظم اقبال اکادمی پاکستان، طبع اول، 2011ء، ص نمبر 99

15) محمد اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، غ ع، ص نمبر 362

16) AbbottLawrence Lowell,*Confliets of Principles Cambridge(Mass)*,1956.P.156
17) پروین شوکت علی، اقبال کا فلسفہ سیاسیات، مترجم مولانا ریاض الحق، ناشر: شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، صنمبر 255
18) غلام دستگیر، نعت اقبال، اقبال ریویو، 2002، جلد2، ص نمبر 20تا26
19) عبداللہ، سید، اعجاز اقبال، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان، 2004ء، ص نمبر 545
20) محمد اقبال، کلید کلیات اقبال/اردو مع اشاریہ وکشف الابیات، مرتّب، احمد رضا، ناشر، ادارہ اہلِ قلم، علامہ اقبال ٹاؤن لاہور، پاکستان، طبع اول، 2005ء، ص نمبر 217
21) تنویر، شعرِ دلآویز، ص نمبر 473
22) القرآن، الرعد، 11
23) محمد اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، غ ع، ص نمبر 584
24) عبدالواحد، سید، اقبال: فکر اور فن، ابوذر پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان، 2008ء ص نمبر 111-112
25) سید عبدالواحد، اقبال: فکر اور فن، ص نمبر 112
26) سید عبدالواحد، اقبال: فکر اور فن، ص نمبر 113
27) اشتیاق احمد، علامہ اقبال کے دو اہم نظریات، علمی و تحقیقی مجلہ اقبال، جلد 59، ص نمبر 89تا101
28) ایضاً
29) لوس کلوڈ میتخ، مترجم: سلیم اختر، فکرِ اقبال کا تعارف، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص نمبر 14
30) محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص نمبر 913-914
31) محمد اقبال، ڈاکٹر، علامہ، کلیاتِ اقبال فارسی، (مترجم: میاں عبدالرشید)، غلام علی پرنٹرز، لاہور، 1992ء، ص نمبر 268
32) محمد منوّر، بُرہانِ اقبال، اقبال اکادمی، لاہور، پاکستان، 2012، ص نمبر 129
33) تنولی، شعرِ دلآویز، ص نمبر 404
34) محمد اقبال، کلید کلیاتِ اقبال/اردو مع اشاریہ وکشف الابیات، ص نمبر 633
35) محمد اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، غ ع، ص نمبر 331
36) محمد اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، غ ع، ص نمبر 303
37) القادری، اقبال کا مردِ مومن، ص نمبر 12
38) اشتیاق احمد، علامہ اقبال کے دو اہم نظریات، علمی و تحقیقی مجلہ اقبال، جلد 59، ص نمبر 89تا101
39) قاضی جاوید، تصورِ انسان، سوال نامہ لاہور، پاکستان، ستمبر 2013
40) اشتیاق احمد، علامہ اقبال کے دو اہم نظریات، علمی و تحقیقی مجلہ اقبال، جلد 59، ص نمبر 89تا101
41) محمد اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، غ ع، ص نمبر 347-348
42) عبداللہ، سید، ولی سے اقبال تک، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان، 2010ء، ص نمبر 278